56

خلافت ترکی اور مسلمانان ہند

(فرمودہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا

عام قدرتی قواعد کے ماتحت یہ بات بری سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص کسی موقع پر اپنے بھائی کو یہ کہے' کہ تم نے میری فلاں بات نہ مانی تو یہ نقصان ہوا۔ قرآن کریم نے ایک لڑائی کے موقع کا ذکر کرکے بعض لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے جو مشورہ دیا تھا اس کے خلاف جن کی رائے تھی۔ ان کی رائے پر عمل کیا گیا۔ اس لئے نقصان ہوا۔ا۔ (آل عمران ۱۵۵) اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے۔ اور کہا کہ یہ منافقت ہے۔ اگر تمہارے منشاء کے خلاف تھا اور اس سے نقصان بھی ہوا۔ تو بھی نہیں کہنا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ جو تم نے مشورہ دیا تھا وہ ضرور مانا جاتا۔ تو یہ ایک تمدنی غلطی ہے جو قوموں میں رائج ہے۔ اور اس کی قرآن کریم نے تصدیق فرمائی ہے۔ اور ایسا کہنے کو منافقت ٹھہرایا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رائے کے خلاف چلنے والوں کو بھی بات کہی ہے۔ جو عام تمدنی حالات میں درست نہ تھی کہ تم نے اس کی رائے کے خلاف کیا۔ اس لئے نقصان ہوا۔ یہ کیوں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی کو یا دوست دوست کو یا چھوٹا بڑے کو یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ تم نے میری رائے کے خلاف کیا۔ اس لئے نقصان اٹھایا۔ مگر جو بڑا ہے۔ اور جس کو یہ حق ہے کہ دوسروں کی راہ نمائی کرے اور جس کا کام سمجھانا ہو۔ اور لوگوں کی نگرانی کرنا ہو۔ وہ کہہ سکتا ہے۔

بچہ کو حق نہیں کہ ماں باپ کو کہے۔ تم نے میری فلاں بات نہ مانی۔ اس لئے نتیجہ اچھا نہ نکلا مگر ماں باپ کو حق ہے کہ وہ ایسا کہیں۔ ماں باپ کے ایسا کہنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بچہ ایسی جگہ کھیلتا ہو جہاں اسے نہیں کھیلنا چاہئے اور جہاں سے ماں باپ نے اسے روکا ہو۔ پھر اگر اسے تکلیف

پہنچے تو ماں باپ کہتے ہیں۔ ہم نے تمہیں پہلے نہیں کہا تھا کہ وہاں نہ کھیلو۔ یہ ایک اخلاق کی بات ہے۔ اور درست ہے ماں باپ کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کو یہ نہیں کہنا چاہیئے لیکن اگر برابر کا یا چھوٹا بڑے کو یہی بات کہے تو اس کو متکبر اور بے ادب کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کو شرعاً"۔ عرفاً" اخلاقاً" قانوناً" حق نہیں کہ ایسا کہے جس کو حق حاصل ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں پہلے نہیں کہہ دیا تھا کہ تمہیں ایسا کرنے میں نقصان ہو گا۔

اس تمہید کے بعد میں ایک ایسے واقعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو واقعہ مسلمانوں کے لئے نہایت اہم ہے اور وہ خلافت کا سوال ہے جب ترکوں کی انگریزوں سے لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے انگریزوں کی مدد کی مولویوں نے فتوے دیئے کہ انگریزوں کی مدد کرنا فرض ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمارے حلیف ہیں اور حلیف کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اس قسم کے فتوے تنخواہوں کے خیال سے یا مربعوں کی امید پر یا عہدوں اور خطابوں کے لالچ میں یا حکام کی نظر میں پسندیدہ ہونے کے لئے دیئے گئے اور انگریزی فوج کے لئے رکروٹ بھرتی کروائے گئے۔ اس وقت بھی مسلمان ترکوں کے سلطان کو خلیفتہ المسلمین کہتے تھے۔ مگر خلیفتہ المسلمین کی فوجوں کے مقابلہ میں بندوقیں کندھوں پر رکھ کر گئے۔ اور ان ہی مقامات مقدسہ کو جن کے لئے برسر جدال ہوئے۔ خلیفتہ المسلمین سے گولیوں اور تلواروں کے زور سے چھین لیا۔ اس وقت کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی کیا اس وقت قرآن کریم کا حکم یاد نہ رہا تھا۔ اگرچہ وہ عقیدہ جو یہ لوگ اب ظاہر کرتے ہیں۔ اسلامی نہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ اس وقت اس عقیدے کے لحاظ سے ان کا کیا فرض تھا۔ اور انہوں نے کیا کیا۔

ہم نے بھی انگریزوں کی مدد کی مگر ہم اپنے مذہبی عقیدے کی رو سے فرض سمجھتے تھے کہ ہم جس حکومت کے ماتحت رہیں۔ اس کی مدد اور اس کی ہمدردی کریں ہم انگریزوں کے ساتھ ہو کر ترکوں سے لڑنے کے لئے گئے۔ مگر خلیفتہ المسلمین سے لڑنے نہ گئے تھے۔ کیونکہ ہم سلطان ٹرکی کو خلیفتہ المسلمین نہیں مانتے۔ ہم اس لئے لڑنے کے لئے گئے کہ ترک ہمارے بادشاہ کے مخالف تھے۔ اور ہم اپنے بادشاہ کے مخالف سے لڑنے گئے تھے۔ پس ہمارا فعل جائز اور شریعت کے مطابق تھا۔

مگر جب جنگ کا نتیجہ نکلنے لگا اور صلح ہونے لگی۔ تو وہ لوگ جو نہ صرف ترکوں سے لڑنے کو تیار تھے۔ بلکہ لڑے تھے۔ اور جنہوں نے اپنے خلیفہ کے قائم مقاموں کے سینوں پر گولیاں چلا کر اور ان سے ملک چھین کر انگریزوں کے قبضہ میں دیا تھا بگڑ گئے اور کہنے لگے۔ یہ کیوں کرتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ ہمارے مذہب میں دست اندازی ہو گی اور اس بات کے لئے انہوں نے انگریزوں کے ملک

میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اس بارے میں ہمیں بھی ترکوں سے ہمدردی تھی۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک ترکوں سے وہ سلوک نہیں کیا گیا تھا۔ جو دوسرے مفتوحین سے کیا گیا۔ ہمارے نزدیک دوسرے مفتوحوں کے مقابلہ میں ترکوں سے زیادہ سختی کی گئی تھی۔ اور وہ محض اس لئے تھی کہ ترک مسلمان تھے۔ گو آسٹریا سے بھی سختی کی گئی تھی۔ مگر وہ سختی جو ترکوں سے کی گئی تھی۔ زیادہ تھی کیونکہ آسٹریا کے علاقے آزاد تھے۔ اور آزاد ہونا چاہتے تھے۔ مگر ترکوں کے ماتحت جو علاقے تھے۔ ان سے نہیں پوچھا گیا تھا کہ تم ترکوں کے ماتحت رہنا چاہتے ہو یا نہیں۔ انہیں انگریزوں اور امریکنوں اور فرانسیسیوں نے جبراً ترکوں سے علیحدہ کر لیا۔ اگر ان علاقوں سے پوچھا جاتا۔ تو ان میں کتنے ہی ترکوں کے ماتحت رہنے کو پسند کرتے۔ جن علاقوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ان کی سنی نہ گئی۔ پھر آسٹریا کا جو کچھ باقی رکھا گیا وہ آزاد تھا۔ لیکن ترکوں کو جو آزادی دی گئی۔ وہ برائے نام تھی۔ اور چار پانچ طاقتوں کا ان پر تسلط تھا۔ پس ترکوں کے متعلق اس فیصلہ سے مذہبی تعصب کی بو آتی تھی۔ ہم نے فاتحین کے اس فیصلہ کے متعلق اس طریق پر کام کیا اور توجہ دلائی جو رعایا کے لئے ضروری ہے۔ اور جس طرح توجہ دلانا ہمارا حق تھا کہ ترکوں کے ساتھ وہ کیا جائے۔ جو سیاسی طور پر ضروری ہے۔ نہ یہ کہ ان کے ساتھ فیصلہ میں مذہبی تعصب کو دخل دیا جائے۔ بعد میں اس کے مطابق فیصلہ ہوا۔ اور یہ مان لیا گیا کہ پہلے صلح نامے میں سختی تھی۔ اور ضروری تھا کہ اس میں تبدیلی کی جائے۔

لیکن باوجود اس کے وہ لوگ ہمیں بزدل اور خوشامدی کہنے لگے جو باوجود ترک سلطان کو اپنا خلیفہ سمجھنے کے اس کے خلاف لڑنے کے لئے گئے تھے اگر ہم ترکوں کے سلطان کو اپنا خلیفہ مان کر اس سے لڑنے جاتے۔ تو یہ ہماری بے غیرتی انگریزوں کی خوشامد اور انگریزوں کے مقابلہ میں بزدلی ہوتی۔ مگر جب یہ بات نہ تھی۔ تو خوشامد اور بزدلی کیسی؟ ہم تو ترکوں کے ساتھ لڑنے کے لئے اس لئے نکلے کہ وہ ہمارے خلیفہ نہ تھے اور ان سے لڑنے میں ہمارے لئے کوئی مذہبی روک نہ تھی۔ مگر غصہ میں انسان سوچتا نہیں۔ اور وہ لوگ جن پر الزام آتا تھا۔ غصہ میں آ کر ہمیں الزام دینے لگے۔ اسی غصہ کی حالت میں ایک غلط راستہ اختیار کر لیا گیا۔ ابتدا میں ترکوں کے خلاف فیصلہ کے متعلق سوچنے کے لئے دو جلسے کئے گئے۔ اور ان دونوں جلسوں میں مجھے بلایا گیا۔ میں جانتا تھا کہ ذاتی طور پر ان جلسوں میں میرا شامل ہونا غیر ضروری ہے۔ کیونکہ جس امر کے متعلق پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے۔ اس میں لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنے کے معنے بجز اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو اپنے پیچھے

گھسیٹتے پھریں۔ تاہم میں نے حجت قائم کرنے کے لئے ان جلسوں میں دو ٹریکٹ لکھ کر بھیج دیئے۔ جن میں میں نے بتایا کہ جو رویہ تم اختیار کر رہے ہو۔ اور جس پر اپنے مطالبات کی بنیاد رکھ رہے ہو۔ یہ ترکوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خطرناک ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ ترکوں کے بادشاہ کو سب مسلمان خلیفہ مانتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی امداد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں یہ اصولاً" اور واقعتہ" غلط تھا۔

شیعہ ترک سلطان کو خلیفہ نہیں مانتے۔ سات سو سال سے ایرانی حکومت عرب حکومت کے خلاف نبرد آزما رہی ہے۔ اور ۵ - ۶ سو سال سے کرد اور ترک عرب کو زیر کرنے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں اگر ایرانی خلیفہ سمجھتے۔ تو ایسا کیوں کرتے۔ علاوہ ازیں اگر خلافت کا حق مقدم سمجھا جائے۔ تو ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو خلیفہ مانا جائے۔ لیکن شیعہ جوان کو خلیفہ نہیں مانتے وہ سلطان ٹرکی کو کس طرح خلیفہ مان سکتے ہیں۔

پھر ہم لوگ ہیں ہم کسی بھی صورت میں ترک سلطان کو خلیفہ نہیں مان سکتے۔ ہمارے نزدیک خلیفہ وہ ہو سکتا ہے۔ جو اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود کا متبع ہو۔ اور اس کے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہیئے۔ ان میں سے جن لوگوں نے شوروہنگامہ میں خلافت ٹرکی کی تائید میں آواز اٹھائی اور خلافت کو جائز سمجھا۔ وہ ان کے مذہبی عقیدے کے مطابق رائے نہ تھی۔ بلکہ بزدلی اور خود غرضی کے ماتحت رائے تھی۔ علاوہ اس کے سنیوں میں سے بھی اس خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو ترک سلطان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ ترکوں کی ہمدردی کی تحریک کی بنیاد ایک ایسی بات پر رکھنا غلطی ہے۔ جس پر سب مسلمان متفق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کی بجائے اس تحریک کو سیاسی طور پر چلایا جائے اور مخالف رائے کو موافق بنایا جائے۔ اور ترکی حکومت کو بحیثیت ایک اسلامی سلطنت کے پیش کیا جائے۔ میری اس بات کو حقارت سے دیکھا گیا۔ یا ظاہر کیا گیا کیونکہ بعض ذی اثر اصحاب نے اپنی پرائیویٹ ملاقاتوں میں میری تجویز کی تعریف کی اور کہا کہ ہونا تو ایسا ہی چاہیئے۔ مگر اب حالات ایسے ہیں کہ ہم عوام کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

لیکن جو ہجرت کی تحریک کا نتیجہ ہوا اور بائیکاٹ کی تحریک کا ہوا۔ وہی آخر کار خلافت کا نتیجہ ہوا۔ خلافت کی تحریک کے جوش کے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ نماز کا چھوڑنا زکوٰۃ نہ دینا کوئی بات نہیں۔ مگر جو خلافت کا منکر ہے۔ وہ کافر ہے۔ اور وہ شخص جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ خلافت کا

منجی ہے۔ اور خلافت کو قائم کرنے والا ہے۔ وہ آج خلافت کے متعلق ایسا فعل کرتا ہے۔ جو نہایت شرمناک ہے۔ وہ خلافت کو مٹا کر ہی دم نہیں لیتا۔ بلکہ ایک ایسے ظالمانہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے جو بہت ہی شرمناک اور ظالمانہ ہے۔

وہ نہ صرف خلیفہ کو معزول کرتا ہے۔ بلکہ اس کے خاندان کے بیوی بچوں اور کل افراد کو ملک سے نکال دیتا ہے۔ اور ملک کا داخلہ ان پر بند کر کے ان کو ان کے آبائی وطن میں آنے سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ وہ سزا ہے۔ جو چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی نہیں دی جاتی۔ چور قید کیا جاتا ہے۔ مگر اس کی نسل کو قید نہیں کیا جاتا۔ اس کی بیوی اور اس کے بچوں کو جلا وطن نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کا قصور نہیں ہوتا۔ مگر ترک خلیفہ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ اگر خلیفہ ترکی خلافت کے اہل نہ تھا۔ اگر وہ اپنے افعال کی بنا پر قابل سزا تھا۔ تو یہ کون سا اخلاق کا قانون ہے کہ اس کے اہل کو بھی جلا وطن کر دیا جائے۔ اور ان کی جائدادیں زیر نگرانی کر لی جائیں۔ یہ وہ فعل ہے جو کسی ظالم ترین بادشاہ سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس شرمناک طریق پر اس کو معزول کیا گیا ہے کہ جس سے افسوس ہوتا ہے۔ یہ نہیں کیا گیا کہ معمولی طور پر خط لکھ دیا ہو کہ آپ چلے جائیں۔ آپ معزول کر دیئے گئے ہیں۔ بلکہ جب وہ تخت پر بیٹھا ہوتا ہے۔ تب اس کو کہا جاتا ہے کہ ملک کی طرف سے حکم ہے کہ تخت سے اتر آؤ یہ کیسی ذلت کا نظارہ ہو گا جو وہاں پیش آیا۔ ایک وقت تھا۔ جب دنیا کو اس کی مدد کے لئے ابھارا جاتا تھا۔ اس بات کا خیال کر کے اس وقت خلیفہ کے دل میں مسلمانوں کی بیس کروڑ تعداد کی وفاداری کا کیا احساس ہو گا جب اسے کہا گیا ہو گا کہ تم تخت سے اتر آؤ اور دو گھنٹے کے اندر اندر ملک سے باہر نکل جاؤ۔ تم اور تمہاری اولاد بیوی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس ملک میں گھسنے کا حکم نہیں ہے اگر کوئی اور سلطنت ہوتی۔ تو مجھے امید ہے کہ وہ ایسا بزدلانہ سلوک نہ کرتی۔

مگر یہ کیوں ہوا یہ اس لئے ہوا کہ ترکوں کا خیال ہوا کہ خلافت کا مسئلہ سخت پیچیدہ ہو گیا ہے اور کہ اس سے جمہوریت کے خلاف طوفان اٹھایا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک ترکوں کی یہ کارروائی مسلمانوں کے اس جوش کا نتیجہ ہے جو انہوں نے خلافت ٹرکی کے متعلق دکھایا۔ ترکوں کو یہ خیال ہوا کہ اگر خلیفہ اور جمہوریت کا سوال اٹھا۔ تو خلیفہ کے ساتھ لوگوں کو ہمدردی ہو گی۔ اور ہماری حکومت ٹوٹ جائے گی۔ سیاسی طور پر ان کا یہ خیال درست تھا اور ان کو اس خطرہ سے بچنے کے لئے خلافت کا نام و نشان مٹانا ضروری تھا۔ مگر جو غیر شریفانہ سلوک خلیفہ کے ساتھ انہوں نے کیا ہے۔ وہ نہایت ہی قابل افسوس اور قابل نفرت ہے۔ امید ہے کہ مسلمانوں کی سمجھ میں اب وہ باتیں آ جائیں

گی۔ جن کو وہ پہلے نہیں سمجھتے تھے۔

میں افسوس سے کہتا ہوں۔ اور اس لئے کہتا ہوں کہ جس مقام پر خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے مجھے کہنے کا حق ہے کہ دیکھو میں نے کہا تھا کہ تم سلطنت ٹرکی کے متعلق ایسا نہ کرو۔ مگر تم نے وہی کیا۔ اب اس کی خوفناک غلطی تم پر ظاہر ہو گئی۔ میں یہ بات کہہ سکتا ہوں اور دوسرا نہیں کہہ سکتا اب بھی وہ راستہ کھلا ہے۔ جو خدا نے کھولا تھا اس آواز کو سنیں جو خدا کے مامور نے بلند کی اس آواز کے مقابلہ میں کوئی آواز نہیں ٹھہر سکتی۔

اب کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ جس کی گردن میں مسیح موعود کی اتباع کا جؤا نہ ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات حضرت مسیح موعود کو ملے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جذب ہو کر ملے ہیں۔ اب اسی کو خلافت مل سکتی ہے جو مسیح موعود میں ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو۔

جس وقت حسین کامی قادیان میں آیا تھا۔ اس وقت حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ میں کشفی نظر سے دیکھتا ہوں کہ سلطان کے دربار میں کچھ کچے دھاگے ہیں جو نازک وقت پر ٹوٹ جائیں گے۔ ۲۰۔ چنانچہ وہ ٹوٹ گئے اور سلطان کو بھی لے کر غرق ہو گئے۔ یہ کیسی عظیم الشان خبر تھی۔ جو پوری ہوئی۔ اور پندرہ سال کے عرصہ میں متعدد بار پوری ہو چکی ہے۔ پہلے سلطان عبدالحمید خان کے وقت میں پوری ہوئی پھر موجودہ خلیفہ سے پہلے کے وقت میں پوری ہوئی اور اب پھر پوری ہوئی۔ جبکہ خلافت ٹوٹ گئی اور خدا کی بات پوری ہو گئی۔

ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک ایسے گاؤں میں رہنے والے جو سٹیشن سے بھی گیارہ میل دور ہے۔ سیاست کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں دیکھو سٹیشن سے ۱۱ میل پرے رہنے والے کی بات پوری ہوئی۔ اس لئے کہ اس میں صداقت بھری ہوئی تھی۔ سیاست دان بے خبر رہے۔ مگر وہ جسے سیاست سے بے خبر کہا جاتا تھا۔ اس کی بات سچی نکلی۔ اگر اس کی بات مانی جاتی۔ تو آج سیاست دان منہ کے بل نہ گرتے۔

اب بھی مسلمانوں کے لئے موقع ہے کہ سمجھ سے کام لیں اور ٹوٹنے والے تاگوں کی نظیر سے فائدہ اٹھائیں جیسا کہ مولوی رومیؒ نے کہا ہے۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند ☆ زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

اس وقت تمام جہان کی نگاہ ہندوستان پر پڑ رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ ترقی کا سامان ہندوستان کی طرف سے ہو گا۔ اس بات کو کوئی مانے یا نہ مانے ہندوستان کی طرف توجہ کا ہونا

اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہندوستان کو خاص درجہ حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھو وہ شخص جو کل تک خلیفہ تھا۔ آج مظلوم ہے اور جس کو سلطان المعظم کہا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ہم ہندوستان کی آواز کے منتظر ہیں۔ پھر مسٹر گاندھی نے مسٹر محمد علی کو خلافت کے ٹوٹنے پر جو تار دیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسلام کا مستقبل مسلمانان ہند کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کی طرف نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ یہ دراصل خدا کی مخفی انگلی کام کر رہی ہے اور دنیا کو ہندوستان کی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہندوستان میں گاندھی اور محمد علی ہیں ان کی طرف دنیا کو لائے بلکہ اس لئے کہ غلام احمد ہندوستان میں پیدا ہوا ہے۔ اور خدا چاہتا ہے کہ اس کی طرف دنیا کو لائے اور یہ ظاہر کرے کہ دنیا کی آئندہ نجات کس سے وابستہ ہے۔

یہ قدرت کی آواز امریکہ اور انگلستان کی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ جہاں ڈوئی اور پگٹ ہوئے یہ ایران اور شام کی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ جہاں باب اور بہاء اللہ ہوئے۔ یہ افریقہ کی طرف نہیں لے جاتی کہ وہاں چارہ کار تلاش کیا جائے۔ بلکہ ہندوستان کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ راست باز ہندوستان میں آیا جس سے دنیا کی آئندہ ترقی وابستہ ہے۔

یہ جمعہ کا خطبہ ہے۔ میں اس کو لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ مگر یہ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب وہ کسی طرف دنیا کی توجہ پھیرنی چاہتا ہے۔ تو اس کے لئے غیر معمولی اور غیر متعلق سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اب جہاں سیاسی امور کی وجہ سے ہندوستان پر نظر پڑ رہی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کو لوگوں کی نظروں میں لانے کے لئے اور سامان بھی کر دیئے گئے ہیں کیونکہ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو مذہب پر براہ راست متوجہ ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں ٹیگور کو پیدا کیا کہ لٹریچر سے مذاق رکھنے والے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں اور اس طرح ٹیگور مسیح موعود کی طرف لوگوں کو لانے کا ایک ذریعہ ہو گیا۔ پھر خدا کے نبی سائنس کے مسائل حل کرنے کے لئے نہیں آتے۔ مگر اس زمانہ میں چونکہ سائنس کی طرف دنیا متوجہ ہے۔ اس لئے خدا نے ہندوستان میں بوس کو پیدا کیا۔ جس نے اپنے اکتشافات سے ہندوستان کو دنیا کی نظر میں ممتاز کر دیا اور یہ اس لئے ہوا کہ وہ لوگ جن کو سائنس سے لگاؤ ہے۔ وہ اسی ذریعہ سے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں اور اس طرح یہ ذرائع اختیار کر کے خدا تعالیٰ نے دنیا کو مسیح موعود کے پاس لا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ سامان اس لئے ہو رہے ہیں کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کی آئندہ مصلح قوم ہندوستان میں ہی ہو گی اور دنیا کا ہادی ہندوستان میں آیا ہے۔ اور وہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام ہیں۔

اب بھی مجھے امید ہے کہ ہمارے بھائی اگر غور کریں تو ٹھوکر سے بچ سکتے ہیں اور اس بات پر غور کر کے اسلام کو ہلاکت سے بچائیں کیونکہ حق کے قبول کرنے میں شرم نہیں ہوتی نہ بزدلی ہوتی ہے۔ بزدل وہ شخص ہوتا ہے۔ جو حق کو پا کر قبول نہ کرے اگر وہ ۲۰ ۔ ۳۰ سال تک مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب ان کی سمجھ میں حق آگیا ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی عیب نہیں۔ اب بھی سستی سے کام نہ لیں۔ میں اپنے بھائی مسلمانوں اور دیگر اہل وطن کو کہتا ہوں کہ وہ خدا کی آواز کو سنیں۔ خدا نے جو ہاتھ بڑھایا ہے۔اس کو پکڑ لیں۔ خدا کے پیغام کو معمولی نہ سمجھیں۔ اور خدا کے ہو کر اور خدا میں ہو کر زندگی بس کریں۔

(الفضل ۲۱ مارچ ۱۹۲۴ء)

[1] آل عمران:۱۵۵

[2] تذکرہ صفحہ ۳۰۰